سورۃ العادیات

آیاتہا ۱۱ ۱۰۰ سورۃ العٰدیٰت مکیۃ ۱۴ رکوعہا ۱

حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت حسن بصری، عکرمہ اور قتادہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس، حضرت انس، امام مالک اور قتادہ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے (2)۔ اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝

''قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر''۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ ان گھوڑوں کی قسم جو دوڑتے ہیں؛ عام مفسرین اور اہل لغت نے یہی کہا ہے وہ اللہ کی راہ میں دوڑتے ہیں اور آواز نکالتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: جب وہ دوڑتے ہیں تو وہ آواز نکالتے ہیں۔ فراء نے کہا: ضبح گھوڑوں کے سانسوں کی آواز ہے جب وہ دوڑ رہے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جانوروں میں سے گھوڑے، کتے اور لومڑی کے علاوہ کوئی بھی چیز دوڑتے وقت آواز نہیں نکالتی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان کے منہ پر کوئی چیز چڑھا دی جاتی ہے تا کہ وہ ہنہنا نہ سکے کہ دشمن اس کے بارے میں آگاہ ہو جائے اس حالت میں قوت کے ساتھ سانس لیتے ہیں۔

ابن عربی نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھائی (3) یٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ (یاسین) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اٹھائی لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (الحجر) اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھوڑوں، ان کے ہنہنانے، ان کے غبار اور پتھروں سے ان کے سموں سے چنگاری نکالنے کی قسم اٹھائی اور ارشاد فرمایا: وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۔

عنترہ نے کہا:

والخيل تعلم حين تضبحُ في حياضِ الموتِ ضَبْحًا

گھوڑے جانتے ہیں جب وہ موت کے حوضوں میں آواز نکالتے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لستُ بالتُّبَّعِ اليمانيّ إنْ لَمْ تَضْبَحِ الخيلُ في سَوادِ العِرَاقِ

میں تبع یمانی نہیں اگر گھوڑے سواد عراق میں آوازیں نہ نکالیں۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 307 2۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 308 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1973

اہل لغت نے کہا: ضبح اور ضباح یہ لومڑیوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں مجازاً گھوڑوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ عربوں کے قول سے ماخوذ ہے: ضَبَحَتْه النَّارُ جب آگ اس کے رنگ کو تبدیل کر دے اور اس میں مبالغہ نہ کرے۔ شاعر نے کہا:

فَلَمَّا أَنْ تَلَهْوَجْنَا شِوَاءً بِهِ اللَّهَبَانُ مقهورًا ضَبِيحًا

انضبح لونه: جب وہ تھوڑا سا سیاہی مائل ہو جائے اس نے کہا۔

عُلِّقْتُهَا قَبْلَ انْضِبَاحِ لَوْنِي میں نے اسے اپنا رنگ بدلنے سے پہلے ہی چاٹ لیا۔ یہ حیوانات آواز نکالتے ہیں جب ان کا حال گھبراہٹ، تھکاوٹ اور لالچ کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ ضَبْحًا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: والعادیات تضبحُ ضَبْحًا، الضبح کا معنی راکھ بھی ہے۔ بصریوں نے کہا: ضَبْحًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے جو حال کی جگہ واقع ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: الضبح اور الضبع دونوں ایک جیسے ہیں جس کا معنی دوڑنا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: الضبح والضبع کا معنی دوڑنا اور چلنا ہے۔ مبرد نے اسی طرح کہا ہے ضبح سے مراد دوڑنے میں بازوں کو لمبا کرنا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کنانہ کے لوگوں کی طرف ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تو اس کے خبر آنے میں دیر ہو گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت منذر بن عمرو انصاری کو عامل بنایا تھا وہ ایک نقیب تھے منافقوں نے کہا: وہ شہید ہو گئے ہیں یہ سورت اس لیے نازل ہوئی تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سلامتی کی خبر دی جائے او یہ بشارت دی جائے کہ انہوں نے اس قوم پر حملہ کیا تھا جس کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔

جن علماء نے یہ کہا کہ عادیات سے مراد گھوڑے ہیں ان میں حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت حسن بصری اور مجاہد ہیں۔ خیل سے مراد وہ گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر مومن حملہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: مَنْ لم يعرِفْ حُرْمَةَ فَرَسِ الغازِي فَفِيه شعبةٌ من النفاقِ جس نے غازی کے گھوڑے کی حرمت کو نہ پہچانا تو اس میں نفاق کا کچھ حصہ ہے۔

ایک دوسرا قول ہے کہ الْعٰدِیٰتِ سے مراد اونٹ ہیں۔ مسلم نے کہا: میں نے عکرمہ سے اس بارے میں جھگڑا کیا۔ عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد گھوڑے ہیں (1)۔ میں نے کہا: حضرت علی شیر خدا نے کہا اس سے مراد حج میں دوڑنے والے اونٹ ہیں (2)، میرے آقا تیرے آقا سے زیادہ جانتا ہے۔ امام شعبی نے کہا: حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس نے الْعٰدِیٰتِ کی تعبیر میں جھگڑا کیا۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اس سے مراد وہ اونٹ ہیں جو حج کے موقع پر دوڑتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد گھوڑے ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے ان کی یہ صفت ذکر کی گئی ہے فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ اپنے کھروں کے ساتھ غبار اڑاتے ہیں۔ کیا اونٹ آواز نکالتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا: بات اس طرح نہیں جس طرح تو نے کہی تو نے غزوۂ بدر کے موقع پر ہمیں دیکھا ہمارے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا مگر مقداد کا گھوڑا تھا جسے ابلق کہتے اور مرثد بن ابی مرثد کا گھوڑا تھا پھر حضرت علی شیر خدا نے حضرت ابن عباس سے کہا: کیا تو لوگوں کو ایسی بات کا فتویٰ دیتا ہے جس کا

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 307 2۔ ایضاً

تجھے علم ہی نہیں اللہ کی قسم! یہ اسلام کا پہلا غزوہ تھا اور ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مقداد کا تھا اور ایک گھوڑا حضرت زبیر کا تھا تو جمع کا صیغہ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سے مراد اونٹ ہیں جو عرفہ سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے عرفہ آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا؛ یہی قول حضرت ابن مسعود، عبید بن عمیر، محمد بن کعب اور سدی کا ہے۔ اس معنی میں حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کا قول ہے:

فلا والعادياتِ غداة جَمْعٍ بأيديها إذا سَطَعَ الغُبار

قسم ہے ان اونٹوں کی جو مزدلفہ کی صبح جس کے پاؤں سے غبار اڑتا ہے۔

یہاں اس سے مراد اونٹ ہیں ان کو الْعٰدِیٰتِ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ عدو سے مشتق ہے یہ تیز چلتے وقت قدموں کا دور دور رکھنا ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

رأى صاحِبى فى العادياتِ نَجيبةً وأمثالَها فى الواضعاتِ القوامِسِ

میرے ساتھی نے دوڑنے والی اونٹنیوں میں عمدہ اونٹنی کو دیکھا اس کی مثل مضبوط اونٹنی میں ہوتی ہے۔

جس نے کہا: الْعٰدِیٰتِ سے مراد اونٹ ہیں تو اس کے نزدیک ضَبْحًا، ضبعا کے معنی میں ہے اس میں حاء، عین سے بدلی ہوئی ہے، کیونکہ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ضبعت الابل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ چلتے وقت اپنی گردنوں کو لمبا کریں۔ مبرد نے کہا: ضبع سے مراد چلتے وقت بازوں کو لمبا کرتا ہے۔ ضبح یہ گھوڑوں کے بارے میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور ضبع اونٹوں میں استعمال ہوتا ہے بعض اوقات حاء کو عین سے بدل دیا جاتا ہے۔ ابو صالح نے کہا: گھوڑوں میں جب آواز نکالنے کا مفہوم ہو تو اسے حمحمہ کہتے ہیں اونٹوں میں ہو تو اسے تنفس کہتے ہیں۔ عطا نے کہا: چوپاؤں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو دوڑتے وقت آواز نکالتی ہو مگر گھوڑا، لومڑی اور کتا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اہل لغت کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ عرب کہتے ہیں: ضبح الثعلب۔ توبہ نے کہا:

تُسَلِّمُ تسليمَ البشاشةِ أو زَقَا إليها صَدًى من جانب القبرِ ضابحُ

میں بشاشت کا سلام پیش کرتا یا قبر کی جانب سے ایک چیخنے والا اس کو صدا لگاتا۔

زَقَا الصَّدٰی یَزْقُوزُقَاءً کا معنی ہے وہ چیخا۔ کلِّ زاقٍ صائحٌ ہر زاقی چیخنے والا ہے زقیۃ کا معنی چیخ ہے۔

فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝ عکرمہ، عطا اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد گھوڑے ہیں جو اپنے کھروں کے ساتھ آگ نکالتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے اپنے کھروں کے ساتھ غبار اڑایا۔ یہ قول ان اقوال کے خلاف ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ وہ آگ نکالتے ہیں اور جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اونٹوں کے بارے میں ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ جہاد اور حج میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد اونٹ ہیں جو سنگریزوں کو روندتے ہیں اور اس سے آگ نکلتی ہے۔ قدح کا اصل معنی نکالنا ہے۔ اس معنی میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: قدحتُ العین جب تو اس سے فاسد پانی نکالے۔ واقتدحتُ بالزند جب تو زند سے آگ

نکالے۔ اِقتدحتُ المرق۔ جب تو شوربہ نکالے۔ رَکِیٌ قدوحٌ ایسا کنواں جس سے ہاتھوں کے ساتھ پانی نکالا جائے۔ قدیح اسے کہتے ہیں جو ہنڈیا کے نیچے رہ جاتا ہے اور اسے مشقت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔ مِقدحہ جس کے ساتھ آگ نکالی جاتی ہے۔ القداحہ، القداحوہ پتھر جو آگ کو روشن کرتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَرَی الزند یرِی وَرْیًا۔ جب اس کی آگ نکلے۔ اس میں ایک اور لغت بھی ہے: وَرِی مضارع کا صیغہ دونوں میں یَرِیْ ہے سورۂ واقعہ میں یہ بات گزر چکی ہے قَدْحًا اسی وجہ سے منصوب ہے جس وجہ سے ضَبْحًا منصوب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیات گھوڑوں کے متعلق ہیں لیکن ایراء کا معنی پھر یہ ہوگا کہ وہ اپنے مالکوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان جنگ کو بھڑکاتے ہیں اسی وجہ سے جب جنگ زوروں پر ہوتی ہے تو کہتے ہیں: حَمِیَ الوَطِیسُ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدہ: 64) جب کبھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے مردوں کا جنگ میں خفیہ تدبیر کرنا (1)؛ یہ مجاہد اور زید بن اسلم کا قول ہے، عرب کہتے ہیں جب وہ اپنے ساتھی کے ساتھ خفیہ تدبیر کرنا چاہے: واللہ لأمکرنّ بك ثم لأورینّ لك۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ میں شریک ہوتے ہیں اور اپنی ضرورت اور کھانے کے لیے آگ کو روشن کرتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد مجاہدین کی آگ ہے جب ان کی آگ زیادہ ہوتی ہے مقصود لوگوں کو خبردار کرنا ہے جو بھی دشمن کے قریب جا کر پڑاؤ ڈالتا تو بہت زیادہ آگ جلاتے تاکہ دشمن ان کی تعداد زیادہ سمجھے یہ ان کی قسم اٹھانا ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: اس سے مراد وہ آگ ہے جس کے پاس جمع ہوا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لوگوں کے افکار ہیں جو مکر و دھوکہ کی آگ کو روشن کرتے ہیں۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد لوگوں کی زبانیں ہیں جو گفتگو کے ذریعے آگ روشن کر دیتی ہیں یعنی دلائل قائم کرنا، حق واضح کرنا اور باطل کو باطل کر دینا۔ ابن جریج نے بعض لوگوں سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امر اور عمل میں کامیابی عطا کرنے والی چیزیں اسی طرح ہیں جس طرح جب زند آگ روشنی کرے تو اس کے لیے نجاح الزند کا لفظ استعمال کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: یہ اقوال مجاز ہیں۔ اس معنی میں ان کا قول ہے: فلان یُورِی زِناد الضلالة پہلی تعبیر حقیقت ہے گھوڑے جب سختی سے دوڑتے ہیں تو وہ اپنے کھروں کے ساتھ آگ نکالتے ہیں۔ مقاتل نے کہا: عرب اس آگ کو نار ابی حباحب کہتے ہیں۔ ابو حباحب دور جاہلیت میں مصر کا ایک شیخ تھا بہت ہی بخیل تھا وہ روٹی پکانے اور دوسرے کاموں کے لیے آگ روشن نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ لوگ سو جاتے تھے وہ تھوڑی سی آگ روشن کرتا جو کبھی روشن ہوتی اور کبھی بجھ جاتی۔ اگر کوئی آدمی بیدار ہو جاتا تو وہ اس آگ کو بجھا دیتا یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ کوئی اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو عربوں نے اس آگ کو اس کی

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 308

آگ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس سے بھی کوئی نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا؛ اس طرح جب تلوار خود پر پڑے تو آگ نکالتی ہے تو اسے بھی وہی نام دیتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

ولا عیبَ فیھم غیرَ أنّ سُیوفَھم بھِنّ فُلولٌ من قِراعِ الکتائبِ

ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں لشکروں کے باہم ملنے سے کند ہو جاتی ہیں۔

تَقُدُّ السَّلُوقِیَّ المضاعَفَ نَسْجُهُ وتُوقِدُ بالصُّفَّاحِ نارَ الحُبَاحِبِ

وہ سلوقی ذرہ کو کاٹ دیتی ہیں جس کی بنائی دہری ہوتی ہے اور چوڑے پتھر پر پڑیں تو حباحب کی آگ روشن کرتی ہیں۔

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝

''پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت''۔

گھوڑے صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے: جب وہ حملہ کا ارادہ کرتے تو رات کو چلتے اور صبح تک دشمن کے پاس پہنچ جاتے کیونکہ وہ وقت لوگوں کی غفلت کا ہوتا ہے اس معنی میں فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ (الصافات) جن کو ڈرایا جاتا ہے ان کی صبح بہت ہی بری ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: غالب ہونے کی وجہ سے انہوں نے دن کے وقت حملہ کیا، اس صورت میں صُبْحًا کا معنی علانیہ ہوگا۔ اسے صبح کے ظہور کے ساتھ تشبیہ دی۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد اونٹ ہیں جو اپنے سواروں کو یوم نحر کے دن مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے ہیں، سنت یہ ہے کہ صبح ہونے پر ہی روانہ ہوا جائے؛ یہ قرظی کا قول ہے۔ اغارہ کا معنی تیز چلنا ہوگا اس میں ان کا قول ہے: اَشْرِقْ ثَبِیْرُ کَیْمَا نُغِیْرُ اے ثبیر! (پہاڑ) روشن ہو کہ ہم چلیں۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝

''پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں''۔

نَقْعًا کا معنی غبار ہے یعنی گھوڑے جہاں حملہ کرتے ہیں اس جگہ تیز دوڑنے کی وجہ سے غبار اڑاتے ہیں۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

عدِمتُ بُنَیَّتِی إن لم تَرَوْھا تُثِیرُ النَّقْعَ من کَنَفَیْ کَداءِ

میں اپنی بیٹی کو نہ پاؤں اگر تم گھوڑے کو نہ دیکھو کہ وہ کداء پہاڑ کے اطراف میں غبار اڑا رہا ہے۔

بِهٖ میں جو ضمیر ہے مکان یا موضع کی طرف لوٹ رہی ہے جہاں وہ حملہ واقع ہوا جب حقیقت حال معلوم ہو تو ضمیر ذکر کرنا جائز ہے اگرچہ اس کا پہلے صراحۃ ذکر نہ بھی ہوا ہو، جس طرح ارشاد فرمایا: حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضمیر سے مراد دوڑنا ہے جب کہ دوڑنے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نقع سے مراد مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان کا علاقہ ہے؛ یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وادی کا راستہ ہے شاید یہ ضمیر اس غبار کی طرف لوٹ رہی ہے جو غبار اس جگہ سے اڑتا ہے۔ صحاح میں ہے: نقع سے مراد غبار ہے اس کی جمع نقاع ہے نقع سے

مراد پانی روکنے کی جگہ ہے اس طرح اس پانی کو بھی کہتے ہیں جو کنویں میں جمع ہو جاتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ حضور نے کنویں کے پانی کو روکنے سے منع کیا ہے۔ نقع اس زمین کو کہتے ہیں جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے اس کی جمع نقاع اور انقع آتی ہے جس طرح بحر کی جمع بحار اور ابحر آتی ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات نقع کا معنی آواز بلند کرنا ہے، اس معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جب ان سے کہا گیا کہ عورتیں جمع ہیں وہ حضرت خالد بن ولید پر رو رہی ہیں تو آپ نے پوچھا: بنی مغیرہ کی عورتوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے آنسو بہا رہی ہیں جب کہ وہ ابوسلیمان کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں نہ کوئی آواز ہے اور نہ شور ہے۔ ابو عبید نے کہا: نقع کا معنی آواز بلند کرنا ہے۔ اس معنی پر میں نے اہل علم میں سے اکثر علماء کو دیکھا ہے۔ اس معنی میں لبید کا قول ہے:

فمتی ینقعْ صُراخٌ صادِق یُحْلِبوها ذاتَ جَرْسٍ وزَجَل

جب سچی آواز بلند ہوتی ہے تو وہ اس جنگ کے لیے جرس و زجل والی چیزوں کو جمع کرتے ہیں۔

ینقعْ صراخٌ کا معنی ہے آواز کا بلند ہونا۔ کسائی نے کہا: حضرت عمر کا ارشاد ونقع ولا لقلقۃ۔ نقع کا معنی کھانا یعنی ماتم میں۔ اس معنی میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: نقعتُ أنقعُ نقعا۔ ابو عبید نے کہا: ذھب بالنقع إلی النَّقِیعة۔ کسائی کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک نقیعہ سے مراد سفر سے واپسی پر کھانا پکانا ہے ماتم میں کھانا پکانا نہیں۔ بعض علماء نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے النقع سے یہ مراد لیا تھا سر پر مٹی ڈالنا۔ یہ معنی اس طرف جاتا ہے کہ نقع سے مراد غبار ہے۔ میرا گمان نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرف گئے ہوں اور نہ آپ کو ان سے یہ خوف تھا۔ آپ کو یہ خوف کیسے ہو سکتا تھا جب کہ ان کے لیے یہ عمل ناپسند کر رہے تھے۔ فرمایا: یَسْفِکْنَ من دموعھنّ وھُنّ جلوس بعض نے کہا: نقع سے مراد گریبان پھاڑنا ہے۔ یہ ایسا معنی ہے جسے میں نہیں جانتا۔ اس حدیث میں میرے نزدیک نقع سے مراد شدید آواز ہے جہاں تک لقلقہ کا تعلق ہے تو اس کا معنی سخت آواز ہے میں نے اس میں کوئی اختلاف نہیں سنا۔ ابوحیوہ نے فاثرن پڑھا ہے یعنی اس کے آثار دکھائے جس نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ اثار سے مشتق ہے جب وہ حرکت دے اس معنی میں وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ ہے (الروم: 9) انہوں نے زمین کو حرکت دی۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾

"پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں"۔

جمعًا یہ وسطن کا مفعول بہ ہے وہ اپنے سواروں کے ساتھ دشمنوں کے وسط میں جا پہنچتے ہیں یعنی اس جمعیت میں جا پہنچتے ہیں جس پر وہ حملہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یعنی وہ مزدلفہ میں جا پہنچتے ہیں (1)۔ اسے جمعًا کا نام دیا کیونکہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَسَطْتُ القومَ أَسِطُهم وَسْطًا وسِطَةً یعنی میں ان کے درمیان جا پہنچا۔ حضرت علی شیر خدا نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ فوسطن یہ قتادہ، حضرت ابن مسعود اور ابو رجاء کی لغت ہے۔ دونوں لغتوں کا ایک ہی معنی ہے یہ جملہ

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 308

بولا جاتا ہے: وَسَطْتُ القومَ توَسَّطْتُهُمْ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشدد پڑھیں تو معنی ہے دشمن کے لشکر کو دو حصوں میں کر دیتے ہیں۔ تخفیف کے ساتھ پڑھیں تو معنی ہے ان کے وسط میں جا پہنچتے ہیں۔ دونوں کا معنی ایک ہی بنتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝

''بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے''۔

یہ جواب قسم ہے، یعنی انسان کو ناشکری پر پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: لَكَنُوْدٌ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا؛ حضرت حسن بصری نے بھی یہی کہا، کہا: وہ مصائب کو یاد کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے؛ شاعر نے اس چیز کو لیا اور نظم میں پرو دیا:

یاأیھا الظالمُ فی فِعْلِهِ والظُّلم مردود علی مَنْ ظَلَمْ
إلی متی أَنْتَ وحَتّٰی متی تشکو المُصیباتِ وتنسی النعم

اے اپنے عمل میں ظلم کرنے والے جب کہ ظلم ظالم پر لوٹا دیا جاتا ہے، کب تک تو مصائب کی شکایت کرتا رہے گا اور نعمتوں کو بھول جائے گا۔

حضرت ابو امامہ باہلی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الکنودُ هو الذی یأکلُ وحدَهٗ ویمنعُ رِفْدَهٗ ویضرب عَبْدَهٗ، کنود اسے کہتے ہیں جو تنہا کھانا کھاتا ہے، عطیہ نہیں دیتا اور اپنے غلام کو مارتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَلا أُنَبِّئُكُمْ بشرارِكُم؟ قالوا بَلٰی یا رسولَ الله! قَالَ مَن نَزَلَ وحدَهٗ ومنعَ رِفْدَهٗ وَجَلَدَ عَبْدَهٗ کیا میں تمہیں سب سے برے آدمی کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: جو تنہا پڑاؤ ڈالے، عطیہ نہ دے اور اپنے غلام کو مارے۔ دونوں روایات حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں نقل کی ہیں (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: کنود کا لفظ کندہ اور حضر موت کی زبان میں نافرمانی کو کہتے ہیں ربیعہ اور مضر کی زبان میں ناشکرے کو کہتے ہیں، کنانہ کی زبان میں بخیل بری خصلت والے کو کہتے ہیں؛ یہ مقاتل کا نقطہ نظر ہے۔ شاعر نے کہا:

كَنُود لِنَعماء الرجالِ ومَنْ یکن كَنُودًا لنعماء الرجل یُبَعَّدِ

وہ لوگوں کے احسانات کی ناشکری کرنے والا ہے اور جو لوگوں کے احسانات کی ناشکری کرنے والا ہو اسے دور کر دیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ جو تھوڑے احسان پر ناشکری کرے اور زیادہ پر ناشکری نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو حق کا انکار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کندہ کو کندہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے باپ کا انکار کیا تھا۔ ابراہیم بن ہرمہ شاعر نے کہا:

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 267

دعِ البخلاءَ إن شمخُوا وصدُّوا　　وذِكرَى بُخْلِ غانيةٍ كنودِ

بخیلوں کو چھوڑ دو اگر وہ بخل کریں اور سال روک لیں اور شادی شدہ ناشکری عورت کے بخل کے ذکر کو چھوڑ و۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنود، کند سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے گویا وہ اسے کاٹتا ہے جسے ملنا چاہیے یعنی شکر۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کند الحبل جب وہ رسی کو کاٹ دے۔ اعشیٰ نے کہا:

أمِيطِي تُمِيطِي بصُلْبِ الفؤادِ　　وَصُولِ حِبالٍ وكنّادِها

تو چلی جا تو مضبوط دل والے سے دور ہو گی جو رشتوں کو جوڑنا بھی جانتا ہے اور انہیں توڑنا بھی جانتا ہے۔

یہ کاٹنے پر دلالت کرتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: كَنَدَ يَكْنِدُ كُنودا یعنی اس نے نعمت کا انکار کیا۔ ناشکری کرنے والے کو کنود کہتے ہیں اسی طرح ناشکری عورت کو کنود کہتے ہیں اور کند بھی اس کی مثل ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

أحدِثْ لها تُحدِثْ لوصلكَ إنّها　　كُنُدٌ لوصلِ الزائرِ المعتادِ

اس کے لیے نیا تعلق قائم کر وہ تیرے لیے نیا تعلق قائم کرے گی وہ پرانے ملاقاتی کے تعلق سے انکاری ہے۔

حضرت ابن عباس نے کہا: یہاں انسان سے مراد کافر ہے(1) یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ بہت زیادہ کفر کرنے والا ہے۔ اس معنی میں ارض کنود ہے ایسی زمین کو کہتے ہیں جو کوئی شئی نہ اگائے۔ ضحاک نے کہا: یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی(2)۔ مبرد نے کہا: کنود اسے کہتے ہیں جو حق دینے سے انکار کرے اور سابقہ شعر ہی ذکر کیا۔

ابو بکر واسطی نے کہا: کنود اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانیوں میں خرچ کرے۔ ابو بکر وراق نے کہا: کنود اسے کہتے ہیں جو نعمت کو اپنی جانب سے اور اپنے دوستوں کی جانب سے خیال کرتا ہے۔ ترمذی نے کہا: جو نعمت کو دیکھتا ہے منعم کو نہیں دیکھتا۔ ذوالنون مصری نے کہا: ھلوع أو کنود اسے کہتے ہیں جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت زیادہ جزع و فزع کرتا ہے جب بھلائی پہنچے تو احسان نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہت زیادہ کینہ رکھنے والا اور حسد کرنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو اس کی قدر و منزلت سے ناواقف ہو، حکمت کی باتوں میں سے یہ ہے جو اس کی قدر و منزلت سے ناواقف ہے وہ اس کے پردے کو چاک کر دیتا ہے۔

میں نے کہا: یہ تمام اقوال ناشکری اور انکار کی طرف لوٹتے ہیں نبی کریم ﷺ نے کنود کے معنی کی وضاحت مذموم خصائل اور ناپسندیدہ احوال سے کی ہے، اگر یہ درست ہے تو اس بارے میں جتنے بھی اقوال کیے گئے ہیں ان سب سے یہ اعلیٰ ہے اور کسی کے لیے بھی گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں۔

وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝

''اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ انسان کے اس عمل پر گواہ ہے؛ منصور نے مجاہد سے یہی روایت کیا ہے؛ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے(3)؛ یہ

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 309　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور محمد بن کعب نے کہا: انسان اپنے اعمال پر خود گواہ ہے؛ مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ﴿۸﴾

''اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے''۔

اِنَّهٗ کی ضمیر سے مراد انسان ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ خیر سے مراد مال ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنْ تَرَكَ خَیْرَا (البقرہ: 180) ہے۔ اگر وہ مال چھوڑے۔ عدی نے کہا:

مَاذَا تُرَجِّي النفوسُ من طلبِ　　الخَيْرِ وحُبُّ الحياةِ كارِبُها

نفوس مال کی طلب سے کس چیز کی امید رکھتے ہیں جب کہ زندگی کی محبت ان پر بہت شدید ہے۔

وہ مال کی محبت میں بہت ہی قوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَشَدِیْدٌ سے مراد بخیل ہے بخیل کو شدید اور متشدد کہتے ہیں (1)۔ طرفہ نے کہا:

أَرَى الموتَ يعتامُ الكِرامَ ويَصْطَفِي　　عَقِيلَةَ مالِ الفاحِشِ المُتَشَدِّدِ (2)

میں موت کو دیکھتا ہوں وہ معزز ترین کو پسند کرتی ہے اور بخیل کے عمدہ مال کو منتخب کرتی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: اعتامہ واعتماہ یعنی اسے پسند کرلیا، چن لیا۔ فاحش کا معنی بخیل ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرہ: 268) وہ تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مال کو خیر کہا ہے ممکن ہے وہ شر اور حرام ہو لیکن لوگ اسے خیر کہتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے خیر کہا ہے اور جہاد کو سوء قرار دیا ہے فرمایا: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ (آل عمران: 174) وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے پلٹے۔ انہیں جہاد کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جہاد کو سوء کہنا یہ عام لوگوں کے نام رکھنے کے اعتبار سے ہے۔ فراء نے کہا: نظم آیت کا تقاضا تھا کہ یوں کلام ہوتی وانہ لشدید الحب للخیر جب حب کا ذکر پہلے ہو چکا تو فرمایا: شدید آخر سے حب کا ذکر حذف کر دیا کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا اور آیات کے سروں کی رعایت کی وجہ سے بھی ایسا کیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم: 18)

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾

''کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا''۔

کیا انسان نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے اسے الٹ دیا جائے گا اور ان میں جو کچھ ہے اسے نکال لیا جائے گا۔ ابو عبیدہ نے کہا: بعثرت المتاع یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو سامان کے نیچے والے حصہ کو اوپر کر دے۔ محمد بن کعب سے

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 309　2۔ ایضاً

مروی ہے کہا: یہ اس وقت ہوگا جب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ فراء نے کہا: میں نے بنی اسد کے بعض بدوؤں کو پڑھتے ہوئے سنا بحثر یعنی عین کی جگہ حاء کو پڑھا؛ ماوردی نے حضرت ابن مسعود سے یہی روایت کیا ہے (1)۔ دونوں کا معنی ایک ہے۔

سینوں میں جو کچھ بھلائی اور شر میں سے ہوگا اسے الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مفسرین نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حُصِّلَ کا معنی ہے ظاہر کر دیا جائے گا (2)۔ عبید بن عمیر، سعید بن جبیر، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم نے وَحَصَلَ پڑھا ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے۔

ان کا رب ان کے بارے میں اس روز خوب باخبر ہوگا اس پر کوئی چیز مخفی نہ ہوگی۔ وہ ان کے بارے میں اس روز اور اس کے علاوہ بھی جاننے والا ہے، بلکہ اس کا معنی ہے وہ اس دن ان کو جزا دے گا۔ اِذَا میں عامل یُبْعَثُرَ ہے اس میں یعلم عامل نہیں کیونکہ انسان سے اس وقت علم کا ارادہ نہیں کیا گیا بے شک دنیا میں اس سے علم کا ارادہ کیا گیا ہے اس میں خبیر عامل نہیں کیونکہ ان کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا یَوْمَىٕذٍ میں عامل خبیر ہے اگرچہ درمیان میں لام فاصلہ ہے کیونکہ لام کا محل ابتدا ہے یہاں لام کو خبر پر داخل کیا گیا ہے کیونکہ مبتدا پر ان داخل ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حجاج اس سورت کو منبر پر پڑھتا تاکہ لوگوں کو جہاد پر ابھارے تو اس کی زبان پر غلطی سے ان آ گیا تو اس نے اس کا ازالہ خبیر پڑھ کر کیا اگر لام نہ ہوتا تو یہ مفتوح ہوتا۔ کیونکہ یہ علم کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے یعنی یہ اس کا مفعول بن رہا ہے۔ ابو اسحاق نے اسے أنّ اور خبیر پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 326 2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 310